گزارشِ احوالِ واقعی

مفتی نظام الدین شامزی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے "پرانے چراغ" میں جگر مراد آبادی مرحوم کے تذکرے میں لکھا ہے کہ جگر مرحوم وفات سے کچھ عرصے قبل غالباً علاج کی غرض سے لکھنو تشریف لائے تو لکھنو ریڈیو کے ایک پروگرام میں ان سے کلام شاعر بزبان شاعر کے طور پر تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی گئی۔ اس موقع پر جگر مرحوم نے یہ غزل پڑھی :

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حقیقت یہ ہے کہ یہ شعر جتنا ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ پر صادق آتا ہے شاید ہی موجودہ وقت میں کسی اور پر صادق آتا ہو۔ جگر مرحوم کی زندگی تو شاعرانہ حیثیت سے اس شعر کا مصداق تھی لیکن ہمارے حضرتؒ کی زندگی ہر حیثیت سے اس کا مصداق تھی۔

برادران گرامی حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب دامت فیوضہ اور حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری دامت برکاتہ کا اصرار تھا کہ حضرتؒ کی حیات مبارکہ اور زرین دینی و علمی خدمات کے حوالے سے ماہنامہ بینات کا جو نمبر شائع ہو رہا ہے اس میں تمہارے مضمون کی شمولیت ضروری ہے۔ بلاشبہ ان کا اصرار بجا تھا، کیونکہ یہ کس قدر ناقدری ہوتی کہ حضرتؒ کے متعلق بینات کا نمبر شائع ہو، اور وہ بھی اسی ادارے سے جس سے حضرتؒ اور راقم کا زندگی بھر تعلق رہا ہو، اور پھر بندہ کا حضرتؒ پر مضمون اس نمبر میں نہ آئے! نیز بندہ کا حضرتؒ سے جو نیاز مندانہ، خادمانہ، ارادت مندانہ اور بیعت کا تعلق تھا اس کے لحاظ سے بھی اس نمبر میں میرے

مضمون کی شمولیت ضروری تھی۔ لیکن میرے لئے مشکل یہ ہے کہ طبعی طور پر لکھنے لکھانے سے طبیعت انکاری رہتی ہے حتی کہ عموماً خطوط کے جوابات بھی نہیں لکھتا، اس لئے خط لکھنے والے حضرات مجھ سے شاکی اور ناراض رہتے ہیں کہ میں ان کے خطوط کے جوابات کیوں نہیں دیتا؟

اسی طرح مجھے کسی کا کوئی تاریخی خاکہ یا کسی پر سوانحی مضمون لکھنے کا سلیقہ اور تجربہ بھی نہیں، خصوصاً حضرتؒ کے متعلق، جن کی شہادت اور آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے دل اب تک واقعۃً تیار نہیں۔ میں جب بھی جامعہ علوم اسلامیہ یا دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں ہوتا ہوں تو دل میں بلا مبالغہ یہ خیال آتا ہے کہ شاید ابھی حضرت کسی جانب سے خدام کے جھرمٹ میں دفتر تشریف لائیں گے اور بندہ دوڑ کر حضرت کے سینہ مبارک سے چمٹ جائے گا اور دست بوسی کرے گا:

مرگِ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کیا دیوانے نے موت پائی ہے؟

لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے ان خیالات سے حقائق تو نہیں بدلیں گے۔

عام طور پر کسی بڑی شخصیت کی زندگی میں کوئی کمال ایسا نمایاں ہوتا ہے کہ اس شخصیت کی زندگی پر وہی کمال حاوی ہو جاتا ہے اور اس کی سوانح لکھنے والوں یا اس شخصیت کی زندگی کے حوالے سے اپنے تأثرات کا اظہار کرنے والوں کے لئے یہ آسانی ہو جاتی ہے کہ وہ اسی جہت سے اس شخص کی زندگی پر اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہیں اور اس شخصیت کے اسی کمال کو دنیا کے سامنے نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں۔ لیکن بلا مبالغہ ہمارے حضرتؒ کی حیات مبارکہ اور ان کی پاک زندگی کے کمالات اتنے ہمہ جہت ہیں کہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ حضرتؒ کے کون کون سے کمال پر گفتگو کی جائے اور ان کی زندگی کی کون کون سی جہت کو نمایاں کیا جائے:

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتؒ کو جن اوصاف و کمالات سے نوازا تھا اس دورِ پُر فتن میں کسی ایک شخصیت کی زندگی میں ان کا جمع ہونا تقریباً ''الشاذ کالمعدوم'' کے درجے میں ہے۔

راقم الحروف درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد رائے ونڈ کے ایک اجتماع میں برکۃ العصر

قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ سے مجمع عام میں پہلی دفعہ بیعت ہوا تھا جس میں بہت سے علمأ کرام نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی تھی، لیکن ایک تو مجھے اپنی غفلت کی بنا پر تصوف وسلوک اور بیعت کی حقیقت سے آگاہی نہیں تھی، اور مزید یہ کہ وہ میری تدریس کا ابتدائی زمانہ تھا، محنت ومطالعہ کا حد سے زیادہ بلکہ جنون کی حد تک شوق تھا، اور تدریس کے لئے اس کی ضرورت بھی تھی، اس لئے اس زمانہ میں الحمد للہ بندہ پندرہ سولہ گھنٹے سے زیادہ روزانہ مطالعہ کرتا تھا، اس لئے میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے تعلیم فرمودہ اذکار واشغال پر کماحقہ عمل نہیں کرسکا، نیز پاکستان اور ہندوستان کے بُعد مکانی کی وجہ سے حضرت شیخ سے استفادہ بھی مشکل تھا۔ اسی اثنامیں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوگیا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب مجھے تصوف وسلوک کی طرف کشش ہوئی اور بیعت کی حقیقت سے متعلق کچھ شعور پیدا ہوا (حقیقی شعور تو اگرچہ ابھی تک بھی پیدا نہیں ہوا) تو برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ کی راہنمائی سے حضرت اقدس حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت اقدس مولانا فقیر محمد قدس سرہ سے حضرت نواب قیصر صاحب دام ظلہ کے مکان پر بیعت ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب حضرت قدس سرہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست پیش کی گئی تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ علمأ محنت تو کرتے نہیں اور نہ ہی ذکر واذکار کرتے ہیں بلکہ تدریس میں لگے رہتے ہیں، تم ذکر وغیرہ کروگے؟ میری خاموشی پر حضرت قدس سرہ نے بیعت فرمالیا، اور بندہ نے حتی المقدور حضرت قدس سرہ کے بتائے ہوئے اذکار واشغال پر عمل کیا۔

جب حضرت اقدس مولانا فقیر محمد قدس سرہ کا انتقال ہوا تو بندہ سوچتا رہا کہ اب کس سے رجوع کیا جائے؟ اور اپنی باطنی وروحانی زندگی کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں دی جائے؟ اس لئے کہ اپنے اساتذہ ومشائخ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون دل میں بٹھا رکھا ہے کہ جب تک کسی بھی اعتبار سے تمہارے بڑے تم میں موجود ہوں، تمہیں خود رائی کے بجائے اپنی زندگی کے مختلف معاملات میں ان ہی سے رہنمائی حاصل کرتے رہنا اور ان کے فرمان پر بلا چون وچرا عمل کرتے رہنا چاہئے، نیز بندہ کا عمر بھر کا معمول بھی یہی ہے اور اس کا تجربہ بھی ہے کہ اسی میں خیر ہے، اور اب بھی جب میرے احباب وتلامذہ مجھ سے کسی نصیحت کے طالب ہوتے ہیں تو میں

سب سے پہلے ان کو یہی نصیحت کرتا ہوں کہ جب تک تمہارے بڑے اور بزرگ تمہارے درمیان موجود ہوں تو اپنی باگ ڈور کسی بھی معتمد بزرگ کے ہاتھ میں دے کر بلا چون وچرا ان کے مشوروں پر عمل کیا کریں، میں نے اپنی پوری زندگی میں اس عمل کی برکت کا مشاہدہ کیا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی جب تک میرے بڑے اور بزرگ موجود ہیں انشاء اللہ اس پر عمل کرتا رہوں گا، تصوف وسلوک کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں حضرت شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے متعلق القا کیا اور میرے دل میں ان سے رجوع کرنے کی طرف رغبت ڈال دی، کیونکہ جتنے مشائخ اور بزرگ ذہن میں آتے رہے کچھ حضرات تو دور تھے اور بُعد مکانی کی بنا پر ان کی برکات سے استفادہ مشکل تھا اور کچھ حضرات کے ساتھ قلبی وذہنی مناسبت نہیں تھی۔ یہ بات دل میں آئی تو میں سیدھا حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں حضرتؒ جامعہ علوم اسلامیہ کے دار الافتاء سے متصل کمرے میں تشریف رکھتے تھے، ظہر کے بعد کا وقت تھا، بندہ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے میری طرف توجہ فرمائی، بندہ نے ساری صورتحال عرض کرتے ہوئے بتایا کہ پہلے میں فلاں فلاں بزرگوں سے بیعت تھا اور اب اپنا اصلاحی تعلق حضرت سے قائم کرنا چاہتا ہوں، میری معروضات سن کر حضرت کو تھوڑا سا تعجب بھی ہوا لیکن آپ نے ہنس کر قبول فرمایا اور بیعت فرمانے کے بعد اذکار تلقین فرمائے۔ اس کے بعد سے آج تک حضرت کی جانب سے جو الطاف و عنایات اور جو شفقتیں مسلسل ہوتی رہیں حقیقت یہ ہے کہ اس بندہ "ظلوم وجہول" نے آج تک صحیح معنی میں ان کی قدر نہ کی۔ آج جب اس حیات مستعار میں مختلف مواقع پر مشکلات پیش آتی ہیں تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ کاش حضرت حیات ہوتے یا حضرت کی حیات میں اس حوالہ سے کوئی بات ملتی تو بفضل خدا ان مشکلات کا ازالہ ہو جاتا۔

میرے شیخ اول حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ میری قدر جتنی میرے بڑوں نے کی، میرے ہم عصروں یا میرے چھوٹوں نے نہیں کی۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا یہ فرمان کلی طور پر ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ پر صادق آتا ہے کہ حضرت شہیدؒ کے اکابر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ، محدث العصر حضرت مولانا

محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مفتی احمد الرحمٰن قدس سرہ، حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ، شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم اور دیگر اکابر نے حضرت شہیدؒ کی جو قدر فرمائی، بعد کے حضرات حلقہ تلامذہ اور منتسبین و مریدین ان کی وہ قدر نہیں کر سکے، اور نہ ہی وہ ان سے اتنا استفادہ کر سکے جو کرنا چاہئے تھا۔

جیسا کہ ابتدا میں بندہ نے عرض کیا تھا کہ حضرتؒ کی زندگی اور کمالات زندگی اتنے ہمہ جہت ہیں کہ ان سب کا احاطہ مکمل طور پر ممکن ہی نہیں۔ بندہ کوئی تحقیقی مضمون لکھ بھی نہیں رہا بلکہ یہ ایک طرح سے گزارش احوال واقعی ہے، اس لئے صرف چند باتوں کے سرسری تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔

ایک صفت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی وہ آپ کی شفقت و محبت تھی کہ انسان خواہ کتنا ہی پریشان حال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا لمحوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے وہ سکون واطمینان اور فرحت نصیب ہوتی کہ اب اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خود راقم کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک واقعہ کے سلسلے میں راقم اتنا پریشان ہوا کہ عجیب عجیب خیالات و تصورات دل میں آنے لگے، کیونکہ واقعہ جس شخصیت سے متعلق تھا وہ میرے محسن اور میرے لئے انتہائی قابل احترام شخصیت تھے۔ جب میری پریشانی انتہا کو پہنچی تو میں نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس پریشانی کو عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں جمعہ حضرت کی مسجد میں پڑھ کر جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے حسب عادت دیکھتے ہی سینے سے لگالیا۔ حضرت کے سینہ مبارک سے مس ہوتے ہی کچھ عرض معروض سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے وہ ساری پریشانی ختم فرمادی۔ بعد میں حضرت کی خدمت میں سارا واقعہ ذکر کیا اور حضرت کے ارشاد پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے شر سے بھی حفاظت فرمائی اور وہ سارا معاملہ بحمد اللہ بخیر و خوبی حل ہو گیا۔

اس طرح کے واقعات میری زندگی میں کئی دفعہ پیش آئے، خصوصاً جامعہ کے معاملات کے حوالے سے بعض اوقات اتنی پریشانی ہوتی کہ ہمت جواب دے جاتی اور بے اختیار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جانے کو جی چاہتا، بالخصوص حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے

انتقال اور حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نور اللہ مرقدہ کی شہادت کے بعد بعض مواقع پر کئی دفعہ جی میں آیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤں اور علمی لائن ترک کر کے تارک دنیا بن جاؤں لیکن حضرت نور اللہ مرقدہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے استقامت نصیب فرمائی اور دین کی خدمت سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس کیفیت کا بارہا مشاہدہ اور تجربہ کیا، اب کسی کو کیسے باور کرایا جائے کہ آپؒ کی آغوش ہمارے لئے تمام مشکلات و مصائب سے خلاصی کا ذریعہ تھی ؟ اور آپ سے ملاقات ہی ہمارے تمام سوالات کا شافی اور تسلی بخش جواب ہوا کرتی تھی :

اے لقائے تو جواب ہر سوال

اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کی جو پختگی آپ کو عطا فرمائی تھی اس کی مثال اب شاید چراغِ رخِ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ خال خال چند بزرگ ہیں جن کی زندگیاں بظاہر چراغِ سحری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں اور صحت میں برکتیں نصیب فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے، ورنہ اس پائے کا علم و عمل اب تقریباً عنقا ہے اور تلاش بسیار سے بھی نہیں ملتا۔

بندہ نے حضرتؒ کے علم و عمل کی جس پختگی کا ذکر کیا ہے، یہ کہنے اور لکھنے کو تو بہت مختصر سے الفاظ ہیں اور ہمارے اس دور میں جس میں ریاؔ و سمعہ کا دور دورہ ہے ویسے بھی الفاظ کی حرمت باقی نہیں رہی، لیکن اگر عملی زندگی میں کوئی اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ ان الفاظ کا مصداق ڈھونڈنا چاہے تو اسے شاید ہی ملے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان بڑے بڑے جبوں' قبوں کے نیچے کیا کیا چھپا ہوا ہے۔

آپؒ کی دوسری نمایاں خصوصیت علمأ دیوبند کثر اللہ سوادہم سے آپ کی والہانہ عقیدت و وابستگی اور ان کے عقیدے اور علم و عمل پر غیر متزلزل اعتماد تھی، اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ جو آج کل نئے وابستگانِ مدارسِ دیوبند سے نکلتی جارہی ہے اور موجودہ دور کے محقق علمأ کرام اپنی تحقیق کو ہی حرف آخر سمجھتے ہیں اور علمأ دیوبند کی تحقیق پر غیر متزلزل اعتماد کی کیفیت ان میں نظر نہیں آتی۔ ہمارے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیق سے زیادہ علمأ دیوبند کی تحقیق کو قابل اعتماد سمجھتے تھے اور جب بھی آپ کو اپنی تحقیق کے دوران اپنے اکابر کی عبارت نظر آتی تو آپ بہت زیادہ فرحت کا اظہار فرماتے اور فوری طور پر اس کو اپنے مضمون کی زینت بناتے۔ ایک

دفعہ برمنگھم ختم نبوت کانفرنس میں آپ نے فرمایا کہ میں اپنی ہزار ہا تحقیقات کے مقابلہ میں اپنے اکابر کی تحقیق پر آنکھ بند کر کے اعتماد کرتا ہوں۔ آپ کا زندگی بھر کا طرز عمل اور آپ کے وہ مضامین جو وقتاً فوقتاً آپ نے اس سلسلے میں تحریر فرمائے اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ کچھ گزارش احوال واقعی کی جائے۔ گزشتہ دنوں ہمارے دارالافتا سے جماعت اشاعت التوحید سے منسلک لوگوں اور عقیدۂ حیات انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک فتویٰ صادر ہوا اور اس سلسلے میں بعض غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئیں اور غلط طور پر مجھ پر ایسے الزامات لگائے گئے اور ایک ایسی پراپیگنڈہ مہم شروع کی گئی جس کا حقیقت حال سے کوئی تعلق نہیں۔ میری پچیس سالہ تدریسی اور افتا نویسی کی زندگی، میرا عقیدہ اور مسلک حقہ دیوبند سے میری وابستگی اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت اقدس مولانا فقیر محمد قدس سرہ اور حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے میری بیعت و تعلق روز روشن کی طرح واضح ہے۔ مجھے زیادہ افسوس ان احباب پر ہوا جو میری پوری زندگی سے واقف ہیں اور میرے اور میرے اکابر کے تعلق کا ان کو اچھی طرح علم ہے۔ میری زندگی کا کوئی گوشہ ان سے مخفی نہیں، مگر میں اس موقع پر ان حضرات کی طرف سے اپنے بارے میں بدگمانی پر صرف دل میں کڑھ ہی سکتا ہوں اور افسوس ہی کر سکتا ہوں، لیکن بہر حال جب اس قسم کے حالات ہوتے ہیں تو ان میں اس قسم کے واقعات پیش آنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اس کی وضاحت کے ساتھ ساتھ چند گزارشات پیش کروں، حالانکہ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ اور حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ کے اصرار کے باوجود بندہ اس موضوع پر فی الحال کچھ لکھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا، بلکہ خیال یہ تھا کہ بندہ سے للہ بغض و دشمنی رکھنے والے یا اغیار کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ استعمال ہونے والے جب اپنے دل کے ارمان پورے کر لیں گے تو اس کے بعد انشاءاللہ بندہ حقیقت حال واضح کرے گا، کیونکہ اس وقت اگر میں کچھ لکھتا ہوں تو شاید وہ اس کو کچھ اور معنی پہنا دیں گے، بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ ہمارے ایک محترم بزرگ کے مضمون میں ہمارے حضرت لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے مجازین اور خلفا کو ترغیب بھی دی گئی

ہے کہ حضرتؒ کی جانب سے مجھے جو اجازت ملی تھی وہ سارے حضرات مل کر اس کو منسوخ فرمادیں اور جامعہ علوم اسلامیہ کے منتظمین سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ مجھے جامعہ میں تدریس کی خدمت سے فارغ کردیں۔

میری خواہش تھی کہ جب ان حضرات کی یہ خواہش پوری ہوجائے گی یا بصورت دیگر جب پروپیگنڈے اور جھوٹ والزام تراشی کا یہ غبار چھٹ جائے گا تب انشاءاللہ بندہ حقیقت حال عرض کرے گا، لیکن یہ سطور لکھتے لکھتے مجھ پر اس خیال کا بہت زیادہ شدت کے ساتھ غلبہ ہوا کہ اس مقام پر اس مسئلہ سے متعلق چند باتیں بھی لکھ دی جائیں، حسن اتفاق کہ اس وقت میں حضرتؒ کی مسند کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ یہ بھی حضرت کی بعد الوفات کرامت یا فیض اثر ہی کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم والامور کلھا بیدہ۔

ہمارے جامعہ کے ایک طالب علم نے ایک استفتا پوچھا جس میں ایک جز تو انبیاءٔ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبور سے متعلق تھا اور دوسرا جزیہ تھا کہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے لوگ انبیاءٔ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبر کے بھی منکر ہیں اور عذاب قبر کے بھی منکر ہیں، آیا یہ لوگ اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں؟

سوال کے پہلے جز کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ انبیاءٔ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور مبارکہ میں حیات ہیں اور یہ حیات دنیا کی سی بلکہ دنیا کی حیات سے بھی اعلیٰ وبرتر ہے، اور دوسرے جز کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ اشاعت التوحید والسنۃ کے لوگ اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں۔ اس جواب پر بندہ نے بھی غلطی اور غفلت کی بنا پر دستخط کردیئے تھے، جس کی تفصیل اس خط میں موجود ہے جو اس سلسلے میں فتویٰ کی وضاحت کے لئے بندہ نے بعد میں جاری کیا تھا۔ چونکہ یہ خط فتویٰ کی وضاحت کے سلسلہ میں تھا اور اس میں بعض الفاظ سخت بھی تحریر ہوگئے تھے اس بنا پر مہربانوں نے میرے خلاف وہ کوششیں شروع فرمائیں جن کا تذکرہ بندہ نے کیا ہے۔

وضاحت کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ اور شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا شاگرد ہے اور اس حقیقت سے میرے اکثر اکابر اور حلقہ احباب کے علماءٔ واقف ہیں، اور آج تک بندہ نے کبھی اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی،

اسی طرح علماء دیوبند کثر اللہ سواد ہم سے بندہ کی وابستگی و عقیدت اور شرف تلمذ بھی بالکل واضح ہے۔ بندہ نے ابتدائی تعلیم کراچی کے ایک مدرسہ اور مدرسہ مظہر العلوم مینگورہ، سوات، صوبہ سرحد میں حاصل کی جبکہ تکمیل جامعہ فاروقیہ کراچی میں کی۔ میرے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب آف بر تھانہ سوات، حضرت مولانا فیض علی شاہؒ، حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب مدظلہ، حضرت اقدس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ جیسے جلیل القدر اصحاب علم شامل ہیں، جن میں سے بعض مرحوم ہو چکے ہیں اور بعض حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی عمر اور صحت میں برکتیں عطا فرمائے۔

بندہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد استاذ محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم، بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ وصدر وفاق المدارس، کے حکم پر جامعہ فاروقیہ کراچی میں تدریس پر مامور رہا اور عرصہ بیس سال کے قریب وہاں تدریسی خدمات سرانجام دیتا رہا، اور ۱۹۸۸ء سے حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمہ اللہ کی دعوت اور حکم پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں استاد حدیث کی حیثیت سے کام شروع کیا اور تاحال شیخ الحدیث اور نگران تخصص فی الفقہ کی حیثیت سے مصروف خدمت ہوں۔ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے تلمذ کے حوالے سے نہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم سے کوئی بات مخفی تھی اور نہ ہی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمہ اللہ سے...... نعوذ باللہ میں نے منافقت سے کام لے کر کوئی منصب حاصل نہیں کیا، میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں اس قسم کے حربوں سے، میرے اساتذہ و مشائخ خصوصاً حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت اقدس مولانا فقیر محمد نور اللہ مرقدہ اور حضرت اقدس حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے اقدام عالیہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مناصب اور مراتب کی محبت دل سے ایسی نکالی ہے کہ عام لوگ تو شاید اس کا تصور بھی نہ کر سکیں، اس لئے الحمد للہ نفاق نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے۔

اب میں حقیقت حال کی وضاحت کرتا ہوں۔ بندہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا سماع موتی یا توسل وغیرہ کے مسائل میں اپنے اساتذۂ کرام حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب، شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیری رحمہم اللہ کا شاگرد ہونے کے

باوجود ان کی اور ان کے استاد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی آرا کو ان کے تفردات میں سے سمجھتا ہے، بندہ کا عقیدہ ان مسائل کے متعلق ان حضرات کے برعکس وہی ہے جو جمہور علمائے دیوبند کا ہے اور عقائد علمائے دیوبند سے متعلق اکابر کی تصدیق شدہ کتاب ”المہند علی المفند“ میں درج ہے۔ البتہ بندہ کے خیال میں یہ مسائل عقائد کے بنیادی یا اصولی مسائل نہیں ہیں، اس لئے مذکورہ بالا تینوں حضرات کے موقف کے حوالہ سے وہ جذبات جو حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ یا پنجاب کے بعض دیگر علمأ کرام میں موجود ہیں وہ صورتحال بندہ کی نہیں ہے اور بندہ عوامی حلقوں میں اس رائے کے اظہار کو مفید نہیں سمجھتا اور اپنے دیگر اساتذۂ کرام کی طرح صرف بوقت ضرورت مسئلہ کی وضاحت اور جمہور علمأ دیوبند کی رائے کی حقانیت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ جامعہ فاروقیہ اور جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے زمانے کے بندہ کے تحریر کردہ فتاویٰ اس بات کے شاہد ہیں۔

اس فتویٰ کی وضاحت بھی بندہ نے محض اس لئے کی تھی کہ اس میں مستفتی اور مفتی حضرات نے دانستہ یا نادانستہ ابہام سے کام لیا ہے، اس لئے کہ عذاب قبر کے منکر مولوی عبدالعزیز، امتیاز راولپنڈی والے، احمد سعید چتروڑ گڑھی، عطاأ اللہ بندیالوی یا اس طرح کے کچھ اور لوگ ہیں، اور ظاہر ہے کہ عذاب قبر کے منکر کا اہلسنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن پوری اشاعت التوحید والسنۃ کو عذاب قبر کا منکر گردان کر اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دینا بندہ کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ یہ پھر عرض کردوں کہ جن مسائل میں علمأ دیوبند سے اشاعت التوحید والسنۃ والوں کی رائے مختلف ہے ان مسائل میں حق بلاشبہ علمأ دیوبند کے ساتھ ہے اور بندہ کا بھی ان مسائل میں وہی عقیدہ ہے جو علمأ دیوبند کا عقیدہ ہے۔ مختلف مسائل میں اختلافات اکابر کے درمیان پیدا ہوئے ہیں، اور بہت سارے مسائل میں بعض علمأ کرام نے تفرد کیا ہے اور اس سلسلے میں علمأ کرام کا تغلیط کا طریقہ مختلف رہا ہے، اس لئے بندہ کے اس خط کا مفہوم بھی صرف اتنا تھا کہ فتویٰ کا یہ دوسرا جز کلی طور پر درست نہیں جس میں اشاعت التوحید سے متعلقہ مطلقاً تمام اشخاص و افراد کو اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ بندہ نے اس حقیقت کا اظہار حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب (کہروڑ پکا) کے سامنے بھی کیا تھا، وہاں بھی جب حضرت شیخ الحدیث موصوف نے پوچھا تھا کہ تمہارے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے

تو میں نے عرض کیا تھا کہ عقیدہ کی حد تک یہ فتویٰ صحیح ہے کہ عذاب قبر کا منکر اہلسنت والجماعت سے خارج ہے اور بندہ کا بھی یہی عقیدہ ہے، البتہ علی الاطلاق اشاعت التوحید والسنۃ والوں کو عذاب قبر کا منکر قرار دینا اور اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دینا درست نہیں، ہاں میں نے اوپر جو چند نام منکرین عذاب قبر کے ذکر کئے ہیں اگر اس طرح کے کچھ دیگر لوگ بھی ہوں جو عذاب قبر کے کسی بھی درجہ میں منکر ہوں تو وہ یقیناً اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں، چاہے وہ اپنے آپ کو کسی بھی طرف منسوب کرتے ہوں، لیکن حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ ہرگز عذاب قبر کے منکر نہیں تھے، یہ حضرات میرے اساتذہ تھے اور میں عذاب قبر سے متعلق ان کے موقف سے بخوبی واقف تھا، باقی ان کی تفرداتی آرا کی صحت و خطا کے بارے میں اپنا عقیدہ و مسلک میں اس مضمون میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ بندہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا سماع موتی یا توسل وغیرہ کے مسائل میں ان حضرات کی آرا کو ان کے اور ان کے استاد مولانا حسین علی صاحبؒ کے تفردات میں سے سمجھتا ہے اور بندہ کا عقیدہ ان مسائل کے بارے میں وہی ہے جو عقائد علمائے دیوبند نامی کتاب میں درج ہے۔ یہ اس موضوع پر میری اول و آخر تحریر ہوگی، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص میرے خلاف جھوٹا اور بے بنیاد پروپیگنڈا کرتا رہے گا تو وہ انشاء اللہ یوم الحساب کو اُس "عالم الغیب و الشہادۃ" اور "علیمٌ بما فی الصدور" کے سامنے جوابدہ ہوگا۔

میں اس بحث کا اختتام اپنے شیخ و مرشد، مرشد العلماء شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی اس عبارت پر کرتا ہوں:

> "ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ اکبر میں ایک جگہ فرمایا ہے (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ "علم توحید کے مسائل میں کسی جگہ اشکال پیش آجائے تو کہہ دے کہ اللہ و رسولؐ کے نزدیک جو مسئلہ ہو میرا اس پر ایمان ہے" اور پھر اہل علم سے تحقیق کرے"۔ اس ناکارہ (حضرت لدھیانویؒ) نے حضرت امامؒ کے اس جملہ کو اپنی زندگی کا اصول بنا رکھا ہے، بار بار جب بھی خیال آجائے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ:
>
> "یا اللہ! آپ کو علم ہے کہ میں نے جو عقائد دل میں رکھے ہیں، یا قلم و

زبان سے ان کا اظہار کیا ہے، جو شرعی مسائل میں نے سمجھے ہیں، لکھے ہیں، یا بیان کئے ہیں، یا چھوڑے ہیں، یہ سب کچھ میں نے اپنے علم و فہم اور عقل و ادراک کے مطابق آپ کی رضا کے موافق سمجھتے ہوئے کیا ہے۔ یا اللہ! میں جانتا ہوں کہ میرے بہت سے علوم و ادراکات، بہت سے احساسات و جذبات، بہت سے اعمال آپ کی منشا کے خلاف ہوں گے۔ یا اللہ! میری جو چیز بھی آپ کی رضا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہو' یا اللہ! میں بصمیم قلب اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، اور میں ہر اس بات پر ایمان لاتا ہوں جو آپ نے اپنے حبیب پاک (علیہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا) پر نازل فرمائی۔ یا اللہ! میں ان تمام عقائد کو، تمام اعمال کو، تمام امور کو اسی طرح مانتا ہوں جس طرح آپ کا منشا ہے اور جس طرح آپ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائے اور ان پر نازل فرمائے۔

خلاصہ یہ کہ جو اللہ و رسول کا عقیدہ ہے وہی میرا ہے، اور میں دین حق کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مانتا ہوں"۔

یہی بندہ کا عقیدہ ہے اور بندہ کے تمام عقائد وہی ہیں جو علماً دیوبند کے ہیں، بندہ حیات انبیاً کرام، توسل، سماع موتی اور اس طرح کے دیگر مسائل میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ دینؒ، مجتہدینؒ اور جمہور علماً کا مقلد اور اکابر دیوبند کے مسلک و مشرب کا پابند ہے، بندہ ہر قسم کی تفرداتی آرا سے مکمل طور پر بری ہے اور تھا، اور ان مسائل میں میرا وہی عقیدہ ہے جو میرے شیخ و مرشد حضرت لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ کا عقیدہ تھا۔

ہمارے شیخ شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف فتنوں کے تعاقب میں حضرتؒ سے جو کام لیا دور حاضر کے ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر دام ظلہ کے علاوہ شاید ہی کسی اور سے اتنا کام لیا گیا ہو۔ آپ باقاعدگی سے اپنی مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے جسے بعض حضرات نے کیسٹ کی شکل میں محفوظ بھی کیا، اسی طرح ترمذی شریف کے ابواب الزہد کی

جو شرح حضرت بنوریؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے حکم پر آپ نے مرتب فرمائی جو بینات میں پابندی سے شائع ہوتی رہی اور بعد میں ”دنیا کی حقیقت“ کے عنوان سے مستقل کتاب کی صورت میں بھی شائع ہوئی، جو اپنے اچھوتے اسلوب اور طرز نگارش کی بنا پر بے نظیر ہے۔

اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دور میں جہاد کے حوالے سے جو عظیم خدمات آپ سے لیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ تبلیغ و دعوت اور اصلاح و ارشاد کے سلسلے میں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی نے آپ سے رجال سازی اور دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والی اپنی مخلوق کی اصلاح و تربیت کا جو ناقابل یقین کام لیا اس کی مثال ماضی قریب میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے بعد مشکل سے ملے گی۔

آپ کی ان ہمہ جہتی خدمات و کمالات خصوصاً عقیدۂ ختم نبوت اور تعاقب قادیانیت کے سلسلے میں خدمات کو دیکھ کر دل میں بے ساختہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپؒ پندرہویں صدی کے مجدد تھے اور اگر اس میں مبالغہ سمجھا جائے تو مجددین کی جماعت کے رکن رکین تو یقینی طور پر تھے، کیونکہ علماً نے لکھا ہے کہ مجدد کبھی صدی کی ابتدا میں ہوتے ہیں، کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں۔ آپ کی خدمات کی قبولیت کو دیکھیے کہ اس وقت عالم اسلام میں جس نوع کی بھی اسلامی خدمت ہو رہی ہے اس میں آپ کے خلفاً، منتسبین و مریدین الحمد للہ نہ صرف شامل ہیں بلکہ اکثر دینی خدمات میں ان کی حیثیت قائدین کی ہے۔ جمعیت علماً اسلام سیاسی میدان میں علماً حق کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس کی سرخیلی اور قیادت پر جو شخصیت فائز ہے یعنی مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے جانشین اور خلف الرشید حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، ان کو حضرت شہیدؒ نے میدان عرفات میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا اور مولانا احمد میاں حمادی بھی آپؒ کے خلفاً کرام میں شامل ہیں۔ مولانا محمد اعظم طارق بھی آپؒ کے فیض یافتہ ہیں، اسی طرح جہادی تنظیم جیش محمد کی سربراہی بھی آپ کے خلیفہ مولانا مسعود اظہر فرما رہے ہیں، جنہیں حضرت شہیدؒ نے خلافت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس طرح آپ کے جہادی عمل میں میرا بھی حصہ شامل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ تبلیغی جماعت کے اکابر مولانا طارق جمیل، حافظ فیروز الدین لدھیانوی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس اور محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے

معتمد خاص و جانشین اور سفر و حضر کے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ کے علاوہ دیگر کئی حضرات بھی آپ کے فیض یافتہ اور شاگرد ہیں۔ اقرأ روضۃ الاطفال کے حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ، مفتی خالد محمود اور مفتی مزمل حسین کاپڑیا تو براہ راست آپ کے فیض یافتہ ہیں اور آپ کی ادارت میں اس ادارہ نے گلگت جیسے ظلمت کدہ میں اپنی قرآنی خدمات کا دائرہ وسیع کر کے ثابت کردیا ہے کہ حضرت شہیدؒ کا یہ کارنامہ بھی مجددانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت کے خادم خاص، جنہوں نے حضرت کا فیض سب سے زیادہ حاصل کیا، اور اس وقت حضرت کے نائب اور جانشین ہیں، یعنی حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ، ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے فیض کو تحریروں کی صورت میں زندہ رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح انگلینڈ، جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک میں کام کرنے والی دینی جماعتوں کے سرکردہ رہنما بھی حضرتؒ کے فیض سے اپنی خدمات کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ اس بنا پر اس بات کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ ہماری صدی کے مجددین کی فہرست میں ایک نمایاں مقام کے حامل تھے اور انہی خدمات جلیلہ کو سرانجام دیتے ہوئے آپ حیات جاودانی کا انعام پا کر اس طرح رخصت ہوئے کہ قیامت تک تمام عالم میں ہونے والی خدمات دینیہ کا ثواب اللہ تعالیٰ انشاءاللہ آپ کو پہنچاتے رہیں گے۔ نیز اولاد صالح، حافظ محمد سعید اسعد، حافظ محمد عتیق الرحمٰن، مولانا محمد طیب لدھیانوی، مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی، کتب دینیہ اور دیگر صدقات جاریہ کی صورت میں بھی آپ کا فیض انشاءاللہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ میں آخر میں جگر کا وہ شعر دوبارہ لکھوں گا کہ:

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

............☆............

...... میرا بھائی! مدینے کا سفر محبت کا سفر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنے کا سفر ہے۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر اس لیے حاضری دیتے ہیں کہ ہم عرض معروض کر سکیں کہ حضورؐ ہماری بھی شفاعت کریں۔ ہمارے اکابر نے فرمایا ہے کہ یہ نہ کہے کہ میں مدینے کی زیارت کے لیے آیا ہوں، بلکہ یہ کہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ اقدس میں بھی اسی طرح حیات ہیں جس طرح کہ آپؐ اپنی زندگی میں حیات تھے۔ یہ اپنا عقیدہ ہے۔......